''سحر البیان'' کے تنقیدی سرمائے کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ثمینہ سیف، اسسٹنٹ پروفیسر اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین، سمن آباد، لاہور
ڈاکٹر نسیمہ رحمن، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر بادشاہ ملک اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو یونیورسٹی آف مالاکنڈ

ABSTRACT:

Sehr-ul Bayan, a Masnavi by Meer Hassan, is an account of literary trends and inclinations, internal and external happenings, and the experiences of mind and heart in the Lakhnavi society of 18th century. This Masnavi is a perfect confluence of the poetry of emotions and senses. The style of *Sehr-ul Bayan* is simple, spontaneous, and mundane. The poet's pen is adept at circumstantiality and representation of culture and civilization. This Masnavi-styled poetic narration also helps in the historical, socio-political, moral and cultural studies. The dissertation writers have covered all the aspects of characterization, style, sexual and psychological issues, as well as spiritual and philosophical problems, while keeping the literary and technical principles in consideration.

کلیدی الفاظ:

میر حسنؔ دہلوی، ''سِحرُ البیان''، تنقیدی سرمایہ، تجزیاتی مطالعہ، تخیل، اسلوب، کردار نگاری، تصویر کشی۔

میر حسنؔ دہلوی کی لازوال مثنوی ''سحر البیان'' (۸۶۔۱۷۸۵ء/۱۱۹۹ھ) ہر عہد میں اُردو ادب کے قارئین اور ناقدین کے لیے ایک اعلیٰ ادبی کارنامہ ہے۔ میر شیر علی افسوسؔ نے اس مثنوی پر دیباچہ لکھ کر میر حسنؔ کے حالات زندگی، شخصیت اور طرز سخن پر روشنی ڈالی۔ یہ دیباچہ تاریخی اور ادبی دونوں حوالوں سے گراں قدر ہے۔ بعد ازاں ''سحر البیان'' کو جتنے بھی مرتبین نے مرتب کیا زیادہ تر نے افسوسؔ کے اس دیباچے کو بھی شامل کیا ہے۔ میر شیر علی افسوسؔ نے ''سحر البیان'' کو فصاحت و بلاغت کا دریا کہا جہاں عیوب قلیل اور ہنر کثرت سے موجود ہیں۔ افسوسؔ کے مطابق ''مثنوی سِحرالبیان اسم بامسمّا ہے کیونکہ اس کا ہر شعر اہل مذاق کے دلوں کو لبھانے کو موہنی منتر ہے اور یہ داستان اس کی سِحر سامری کا ایک دفتر۔''[۱] آج دو سو سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود ناقدین اس مثنوی کی رطب اللسانی کرتے دکھائی دیتے ہیں مثلاً عبدالقادر سروری کا خیال ہے کہ شمالی ہند اور بالخصوص لکھنو کے بہترین منظوم قِصّوں میں ''سب سے پہلا اور سب سے بہترین قِصّہ میر حسن کا ''سحر البیان'' ہے جس کی ٹکر کی کوئی چیز آج تک نہیں

لکھی جا سکی۔"۲؎ اسی طرح وہاب اشرفی کے خیال میں میر حسنؔ کے قلم کو جتنی داد دی جائے کم ہے، ان کے نزدیک "سحر البیان واقعی اُردو مثنویوں میں ایک شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔"۳؎

اس عشقیہ قصّے کے دو مرکزی کردار شہزادہ بے نظیر اور شہزادی بدر منیر ہیں۔ پریوں اور جنوں کو کہانی میں داخل کر کے شاعر نے قصّے کو دلچسپ اور دلکش بنایا ہے۔ مثنوی "سحر البیان" کا قصّہ وہی روایتی داستانی طرز کا ہے۔ ایک لاولد بادشاہ کے ہاں منتوں مرادوں سے اولاد نرینہ ہوتی ہے۔ پری ماہ رُخ شہزادے پر فریفتہ ہو کر اسے اپنے ساتھ پرستان لے جاتی ہے۔ شہزادے کو اداس اور غمگین پا کر اسے سیر کو کل کا گھوڑا دیتی ہے۔ سیر کرتے کرتے شہزادہ ایک دن بدر منیر کے باغ میں پہنچ جاتا ہے اور دونوں کی داستانِ محبت کا آغاز ہوتا ہے۔ پری کو ایک دیو اس عشق کی خبر دیتا ہے۔ جس سے وہ آگ بگولہ ہو کر شہزادے کو کنویں میں پھینکواتی ہے۔ وزیر زادی نجم النساء شہزادے کی تلاش میں بھیس بدل کر جوگن بن کر فیروز شاہ کی مدد سے شہزادے کو لا کر شہزادی کے حضور سرخرو ہوتی ہے۔ بدر منیر اور بے نظیر کی شادی کے بعد نجم النساء اور فیروز شاہ کا ملاپ بھی ہوتا ہے۔ داستانی ادب میں یہ کہانی نئی نہیں ہے۔ "قطب مشتری" سے لے کر "الف لیلیٰ" تک اس سے مماثل واقعات سے داستانی ادب بھرا ہوا ہے۔

عبدالسلام ندوی "شعر الہند" میں میر حسنؔ کے قصّے کے مآخذ اور مماثلات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں میر حسنؔ نے جہاں فضائل علی خاں بے قید کی مثنوی کو نمونہ و مثال بنایا وہیں "شاہنامہ فردوسی" کو بھی سامنے رکھتے ہوئے فنی و ادبی تقاضوں کو بہتر انداز سے بروئے کار لائے، درحقیقت "بے قید نے جس عمارت کی داغ بیل ڈالی تھی اس کے کنگروں کو انہوں نے اور بلند کر دیا۔"۴؎ ڈاکٹر وحید قریشی کے مطابق میر حسنؔ نے فضائل علی خاں بے قید کی "خوان کرم" اور "الف لیلیٰ" سے ضرور استفادہ کیا ہوگا، مگر ترتیب اور اثر میں نیا پن ہے، عالیؔ اور نظامیؔ گنجوی دونوں جس انداز سے واقعات کے گرد چوکھٹے لگاتے ہیں ویسے ہی میر حسنؔ نے "چھوٹے چھوٹے شاٹ لگا کر ہیئت کو خاص (Typical) بنا دیا ہے، تکنیک کے ساتھ ساتھ نظامی کا اثر اسلوب کے تتبع میں بھی ہوا ہے۔"۵؎ میر حسنؔ نظامی کی مانند تکرار لفظی سے جذبات و احساسات کے تاثر کو بھی ابھارتے ہیں۔ الغرض ڈاکٹر وحید قریشی نے "سحر البیان" کے قصّے اور پلاٹ پر سیر حاصل تنقید کر کے کہانی کے مختلف اجزا اور واقعات کو باہم مربوط کہا اور پلاٹ میں جزئیات نگاری، جذبات نگاری، کردار نگاری اور منظر کشی کی تعریف کی ہے۔

خان رشید کے مطابق بیانیہ محاکات میں میر حسنؔ جہاں فردوسی کے قلم سے خوشہ چینی کرتے ہیں وہاں نظامیؔ اور عالیؔ کے اسلوب کی پیروی بھی کرتے ہیں لیکن جذبات نگاری کے پیش نظر میر حسنؔ نے اپنے ماحول، تجربات، محرکات، احساسات اور حافظے کا بڑی حد تک دخل ہے۔ خان رشید اس مثنوی کو شاعر کے ذہنی ارتقاء کا آئینہ قرار دیتے

ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مثنوی: ''خود ان کے مشاہدات اور تجربات کا نچوڑ ہے زندگی اچھی گزری اس لیے حزینہ مناظر اوّل تو ہیں ہی نہیں۔ ان میں یاس اور غم کی داخلیت کا فقدان ہے پھر بھی یہ مثنوی طربیہ اور غنائیہ وجدان کی بڑی خوبی کے ساتھ ترجمانی کرتی ہے۔''[۶] خان رشید نے میر حسن کی ذات کی فارغ البالی اور اس عہد میں عیش و نشاط کو باہم ملا کر دیکھا۔ اچھے نقاد کے لیے ضروری ہے کہ ادبی فن پارے میں ادیب کی ذات اور اس کے ماحول کو خاطر میں رکھے اس سے ادیب کے ذہنی ارتقاء اور فن پارے کے ادبی و فنی تقاضوں کو بہتر طور سے جانچا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی اور خان رشید کی طرح ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے درج بالا تمام مآخذ کے علاوہ ''بوستانِ خیال'' کے شعوری تتبع کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ ''بوستانِ خیال'' اور ''سحر البیان'' کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''میر حسن نے سراج کا شعوری تتبع کیا ہے یہی نہیں کہ دونوں بحر و وزن میں ایک سی ہیں بلکہ ان کا انداز بیان بھی اکثر جگہ بڑی مشابہت رکھتا ہے۔''[۷] لیکن ان تمام قصوں سے خوشہ چینی کرنے کے باوجود ڈاکٹر فرمان فتح پوری میر حسن کو کسی کا مقلد نہیں مانتے، ان کے مطابق ''سحر البیان'' کی سلاست، روانی، دل کشی اور اثر خیزی تمام داستانی ادب سے منفرد و جدا اور بذاتِ خود قابلِ تقلید ہے۔

مثنوی ''سحر البیان'' کے قصّے کو ایک انوکھے زاویۂ نظر سے ڈاکٹر عبادت بریلوی نے پرکھا ہے، اُن کے خیال میں یہ کہانی انسانی زندگی کی واقعیت کے احساس سے بھرپور ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کے تنقیدی خیالات کی رہنمائی میں ہم اس قصّے کو درج ذیل حوالوں کے تحت زندگی کے قریب دیکھ سکتے ہیں۔ (۱) بادشاہ کے پاس سلطنت و جلال اور مال و دولت وغیرہ سب کچھ ہے مگر اولاد نہ ہونے کے واقعات انسان کی مجبوری اور نفسیات کے عکاس ہیں۔ (۲) بادشاہ لاکھ شہزادے کی حفاظت کرتا ہے مگر ماہ رُخ پری اُسے لے جاتی ہے اور پری کے لاکھ جتن کے باوجود شہزادہ اُس کا نہیں ہوتا۔ چنانچہ انسان کی خواہشات اور آرزوؤں کی عمارت کبھی بھی منہدم ہو سکتی ہے۔ (۳) بدر منیر کا بے نظیر کے فراق میں تڑپنا انسانی نفسیات کی غمازی ہے۔ (۴) داستان کے آخر میں مختلف المیوں کے بعد ہیرو اور ہیروئن کا ملنا طربیہ پہلو ہے، یہ قِصّہ انسانی زندگی میں خوشی و غم کی حقیقت سے آشنا کرتا ہے۔ (۵) قصّے میں عشق و محبت کا بنیادی جذبہ در حقیقت انسانی زندگی اور فطرت کا لازمی جزو ہے۔ (۶) محبت کے علاوہ حسن، ایثار، جذبے، قربانی اور اخلاص مندی جیسی اعلیٰ انسانی اقدار قصّے میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ (۷) مناظر فطرت کے بیانات شاعر کی انسان دوستی کے دلائل ہیں۔ (۸) انسانی حسن کی سراپا نگاری، مرقع کشی اور منظر نگاری سے زندگی سے والہانہ وابستگی ظاہر ہوتی ہے۔ (۹) بے نظیر اور بدر منیر کا عشق اور اختلاط انسانی زندگی کے خوبصورت لمحوں کی کیفیات کا عکاس ہے۔ (۱۰) یہ مثنوی رومان اور حقیقت کے امتزاج کے بل بوتے انسانی فطرت اور جذبات نگاری کا ایک بہترین مرقع ہے۔ (۱۱) قصّے کے تمام کردار زندگی اور

فطرت کی کوئی نہ کوئی رمز ظاہر کرتے ہیں۔(۱۲)آغاز تا اختتام یہ قصّہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسانی زندگی کا دار و مدار تغیر و انقلاب پر ہے اور خدمت خلق ہی اصل جذبہ ہے۔ مجموعی طور پر ڈاکٹر عبادت بریلوی اس نظم کو حسیاتی شاعری کی صف میں گردانتے ہوئے یہ بلیغ خیال پیش کرتے ہیں:

''یہ نظم اُردو میں حواس کی شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔۔۔ میر حسنؔ کا کمال یہی ہے کہ انہوں نے اپنی اس نظم میں خارجی اور داخلی، جذباتی اور حواس کی شاعری کا ایسا سنگم بنایا ہے جو انسانی زندگی سے ان کی گہری دلچسپی کی نشاندہی کرتا ہے۔۔۔ سحر البیان زندگی، تہذیب، معاشرت، انسانی جذبات اور انسانی زندگی کی اعلیٰ اور ارفع اقدار کا ایک نہایت ہی حسین مرقع ہے۔۔۔اس میں ایک نئی طرز اور ایک نئی آن بان ہے اور یہ مثنوی نہیں بلکہ واقعی ایک پھلجھڑی ہے۔''۸

رفیق حسین کے مطابق ''سحر البیان'' کسی قدر حالیؔ کے مقررہ کردہ اصولوں پر بھی پورا اترتی ہے اور فنی و ادبی حوالے سے اس کا پلاٹ بھی مربوط اور مسلسل ہے۔رفیق حسین نے ''سحر البیان'' کے پلاٹ میں اتفاقیہ امور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پلاٹ کو مفرد کہا جہاں ''قصّہ کی ابتدا، وسط اور انتہا سب اپنی جگہ پر ہیں ایک دوسرے سے کوئی تصادم نہیں ہوتا نہ ان کی تقدیم،تاخیر میں کوئی فرق پڑتا ہے۔''۹رفیق حسین کے ان تنقیدی خیالات کے داعی سید محمد عقیل رضوی بھی ہیں۔ وہ اس قصّے کو حقیقی و فطری اور پلاٹ کو اتفاقیہ امور کے وقوع پذیر ہونے کی بنا پر ''قضارا'' کہتے ہیں مثلاً اتفاق سے شہزادے کا چاندنی رات میں سونا،اتفاق سے پری کا ادھر سے گزر ہونا،اتفاق سے شہزادے کے کل کے گھوڑے کا بدر منیر کے باغ میں جانا،اتفاقیہ ہی دیو کا بدر منیر اور بے نظیر کو باہم دیکھنا اور اتفاقاً ہی فیروز شاہ کی نظر نجم النساء جوگن پر پڑنا۔ان اتفاقیہ امور کے بل بوتے بعض اوقات شاعر یا ادیب حقیقت سے قدرے گریز کر لیتا ہے، اسی طرح ان اتفاقیہ واقعات کے سلسلوں کی وجہ سے ''میر حسنؔ کے بہت سارے نقاد انہیں اسی غیر حقیقی باتوں کے لیے معاف کر سکتے ہیں۔''۱۰اس قصّے میں ڈرامائی عناصر کی موجودگی کی طرف اشارہ خضر سلطان نے کیا ہے، وہ اس طور لکھتے ہیں ''ڈرامہ میں عمل، کردار اور مکالمہ ہی بنیادی اہمیت کے حامل عنصر ہیں اور سحر البیان میں یہ تینوں عناصر درجہ کمال کو پہنچے ہوئے ملتے ہیں۔''۱۱جہاں تک مثنوی ''سحر البیان'' کی زبان کا تعلق ہے تو مولانا محمد حسین آزادؔ نے ''آبِ حیات'' میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

''اس کی صفائی بیان، لطف محاورہ اور شوخی مضمون اور طرز ادا اور ادا کی نزاکت اور جواب سوال کی نوک جھونک حدِ توصیف سے باہر ہے اس کی فصاحت نے کانوں میں کیسی سناوٹ رکھی تھی! کیا اسے سو برس آگے والوں کی باتیں سنائی دیتی تھیں؟۔۔۔ زبان چٹخارے بھرتی ہے اور نہیں کہہ سکتے کہ یہ کیا میوہ ہے۔ عالمِ سُخن کے جگت گرو مرزا رفیع سودا اور شاعروں کے سرتاج میر تقی میر نے بھی کئی کئی مثنویاں لکھیں، فصاحت کے کتب خانہ میں اس کی الماری پر جگہ نہ پائی۔'' ۱۲؎

عبدالباری آسی کے خیال میں میر حسن کی زبان ہر واقعے اور ہر کیفیت کے لحاظ سے اتنی مناسب ہے کہ ایسا گمان گزرتا ہے کہ خود شاعر نے ان وارداتوں کا تجربہ کیا ہو علاوہ ازیں: ''تشبیہات اس قدر اچھوتی اور نادر ہوتی ہیں کہ تخیل کے ساتھ مل کر وہ دوشِ ہوا پر بوئے گل معلوم ہوتی ہیں۔۔۔ محاکات کا کمال میر حسن سے زیادہ کسی مثنوی نگار کے یہاں نظر نہیں آتا۔'' ۱۳؎ مثنوی ''سحر البیان'' کو مرتب کرتے ہوئے سید اشرف حسین میر حسن کے پیرایہ کو یوں سراہتے ہیں:

''یہ صفائی بیان اور لطفِ محاورہ نہ آج تک کسی کو حاصل ہے نہ آئندہ امید، ضرب المثل کا رتبہ جو اس کلام نے پایا ہے وہ خود ضرب المثل ہے۔ تکلف سے بری تعقید سے پاک۔ اضافتوں کی بھرمار نہیں مخدوفات سے سروکار نہیں۔ نثر کی نثر نظم کی نظم۔ جتنے لفظ ہیں گنے چنے ہوئے۔ گفتگو میں فرق مراتب۔ بول چال میں سن و سال کا خیال وقت کا پاس موقعے کا لحاظ۔ غرض فصاحت و بلاغت کا کوئی جز و متروک نہیں۔'' ۱۴؎

مثنوی ''سحر البیان'' کی زبان پر تفصیلاً تنقیدی بحث خان رشید نے کی ہے۔ انہوں نے مثنوی کی زبان کو سادہ و سلیس اور دلچسپ و شُستہ کہا۔ میر حسن کے اسلوب پر خان رشید کی تنقید کو خاطر میں رکھتے ہوئے ہم درج ذیل خصوصیات اخذ کر سکتے ہیں: ۱۔ میر حسن کی زبان میں میر کی زبان کی مانند شستگی، صفائی اور برجستگی لاجواب ہے۔ ۲۔ محاوروں، ضرب الامثال کی برجستگی، الفاظ کی شیرینی، موقع و محل کی مناسبت سے الفاظ کا استعمال پختہ لسانی شعور کا ثبوت ہے۔ ۳۔ مثنوی میں فارسی تراکیب اور محاوروں کے ساتھ ہندی الفاظ کا استعمال بڑی خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ ۴۔ عموماً غزل کا آرٹ غنائیہ اور مثنوی کا بیانیہ ہوتا ہے مگر میر حسن کی مثنوی میں صوتی خصوصیات کے لحاظ سے غزل کی

غنائیت پیدا ہو گئی ہے اور بیانیہ بھی کمزور نہیں ہوا۔ ۵۔ گفتگو کے دوران مکالمہ نویسی میں میر حسنؔ مختلف طبقات کے بول چال کے فرق کے التزام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ ٦۔ محاکات کے بیان میں اکثر شاعر عامیانہ بول چال کا شکار ہو جاتے ہیں مگر میر حسنؔ کا قلم صاف ہے۔ ۷۔ منظر نگاری کرتے ہوئے میر حسنؔ کا قلم فطری انداز کو اپنائے ہوئے ہے۔ اس حوالے سے خان رشید، سوداؔ اور ناسخؔ سے میر حسنؔ کا تقابل کرتے ہوئے یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ''میر حسنؔ جس خوب صورتی اور سادگی سے مختلف مناظر میں جان پیدا کر دیتے ہیں وہ سوداؔ اور ناسخؔ کو مبالغہ اور لفاظی کے باوجود میسر نہیں۔'' ۱۵؎ ۸۔ اکثر شعرا کے ہاں غور و خوض کا نتیجہ آورد ہوتا ہے جیسا کہ مثنوی ''گلزارِ نسیم'' میں ہے لیکن باوجود غور و فکر کے میر حسنؔ کے بیانیہ میں آمد اور تسلسل میں کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔ ۹۔ سراپا نگاری کرتے ہوئے مثنوی نگار جزئیات نگاری کو بھی نظر انداز نہیں کرتا ہے۔ ۱۰۔ مثنوی ''سحر البیان'' میں میر حسنؔ کا قلم معاشرت و تمدن کی مکمل اور بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ ۱۱۔ میر حسنؔ کا یہ بیانیہ ان کی زبردست یادداشت اور حافظے کا پتہ دیتا ہے۔

کردار نگاری کے حوالے سے ''سحر البیان'' پر کی گئی تنقید بہت دلچسپ اور ذو معنی ہے۔ اس حوالے سے محمد شمس الحسن شمسؔ نے ''سحر البیان پر تنقیدی نظر'' میں اس مثنوی کو اٹھارھویں صدی کے لکھنو کے داخلی و خارجی اور ذہنی و قلبی تجربوں اور تاثرات کا مرقع کہا ہے۔ ان کے خیال میں ''سحر البیان'' کی اہم اور نمایاں خصوصیت کردار نگاری کے حوالے سے ''اتحادِ کردار'' اوّل تا آخر تک قائم ہے، اوّل تو میر حسنؔ کے کرداروں پر تصنع کا رنگ نہیں ہے، دوم: وہ صرف کرداروں پر سرسری نظر ڈالتے ہیں اور اسی دوران حقیقی کریکٹر کو پا لیتے ہیں جو پھر کبھی نہیں بدلتا۔ محمد شمس الحسن شمسؔ کا یہ تنقیدی خیال پیش کرنا بر محل ہو گا کہ ''حقیقت امر یہ ہے کہ میر حسنؔ اس وصف میں تمام مثنوی نگاروں سے آگے ہیں۔ میر حسنؔ نے جس قدر کردار قائم کیے ہیں وہ اوّل سے آخر تک یکساں ہیں اور ان کے اتحاد کا شیرازہ کہیں بکھرنے نہیں پاتا۔'' ١٦؎ مثلاً ''گُلزارِ نسیم'' میں سلطان زین الملوک کے چاروں فرزند نہایت عقیل و فہیم بتائے گئے ہیں مگر تمام مثنوی ان کی احمقانہ حرکات سے بھری ہوئی ہے، اسی طرح قلقؔ کی ''طلسمِ اُلفت'' کی شہزادی عالم آرا ابتدائی تعارف میں پردہ نشین اور عفت مآب نظر آتی ہے مگر اس کے اعمال بیسوا کی طرح ہیں۔ جبکہ ان کے برعکس میر حسنؔ کے کردار اس طرح کے تَناقُص سے پاک ہیں۔

کردار نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر وحید قریشی کی تنقید اعلیٰ پائے کی ہے، انہیں بے نظیر کے کردار کی نسبت ماہ رُخ، بدر منیر اور نجم النساء کے کردار زیادہ اہم لگے۔ وہ بے نظیر کے کردار کو اثر انگیزی کی بدولت فروعی حیثیت دیتے ہیں اور ماہ رُخ کو نرگسی (Narcissistic) عورت قرار دیتے ہیں جو اپنی خواہشات کی تکمیل ہی کو اہم سمجھتی ہے، بدر منیر کو تمام نسوانی کرداروں میں مفعول (Passive) قرار دیتے ہوئے ایک ہیسٹریا زدہ عورت کہتے ہیں۔ ڈاکٹر وحید

قریشی کی تنقیدی آرا کے پیش نظر نجم النساء ایثار، قربانی، دوستی اور اعلیٰ انسانی اقدار کا مرقع ہے جو سہیلی کی خاطر اپنی آرزؤں کو پس پشت ڈالتی ہے اور مصائب بھی سہتی ہے۔ بالعموم کہانی اور بالخصوص کردار نگاری کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر وحید قریشی یہ بصیرت افروز تنقیدی خیال پیش کرتے ہیں:

> ''سحر البیان ایک Fantasy ہے یہ ایک عملی ناول Novel of Action بھی ہے اور اسے کرداری ناول Novel of Character بھی کہہ لیجئے لیکن یہ سب حیثیتیں مل کر ایک واحد تاثر قائم کرتی ہیں اور یہی میر حسنؔ کا فن ہے اس طرح میر حسن اگرچہ تارک دُنیا تو نہیں بنتا لیکن ماؤنٹ ایورسٹ پر ضرور پہنچ جاتا ہے۔''۱۷

ڈاکٹر وحید قریشی مثنوی کو متحرک اور کرداری خصوصیات کی بنا پر پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ سید احتشام حسین کے خیال میں اس کردار کے تناظر میں میر حسنؔ انسانی ہمدردی کا ایک ایسا اعلیٰ تصور دیتے ہیں جس کی بنا پر ''مافوق الفطرت عناصر کی حیرت انگیزی اس کے سامنے پست درجہ کی چیزیں معلوم ہونے لگتی ہیں اور یہی بات سحر البیان کو اہم بناتی ہے۔''۱۸ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے خیال میں ''سحر البیان'' کی مقبولیت کا راز فطری عناصر اور حقیقی کردار نگاری میں پنہاں ہے اور مثنوی نگار ہر خاص و عام کردار کو سلیقے سے پیش کرتا ہے۔ وہ نجم النساء کو اُردو منظوم افسانوں کا بہترین کردار مانتے ہیں جو مثالی کردار ہونے کے علاوہ اپنے ماحول (لکھنو) کی نمائندہ ہے، ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا یہ لکھنا بجا ہے:

> ''بدر منیر کا کردار خارجی اور ظاہری طور پر انفعالی ہے لیکن باطنی اور داخلی طور پر انتہائی فعال و متحرک ہے۔۔۔ بدر منیر کے کردار میں جو ناہمواری ملتی ہے وہ اس دور کے معاشرے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس لیے بدر منیر کا کردار مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ نجم النساء مخصوص خاندانوں کی نمائندہ ہے اور بدر منیر عام اعلیٰ خاندانوں کی۔''۱۹

ڈاکٹر فرمان فتح پوری شہزادہ بے نظیر کو مغل شہزادہ نہیں سمجھتے بلکہ انہیں وہ لکھنو کے نوابین اور بادشاہوں کا چشم و چراغ لگتا ہے جو بزم سے آشنا ہے اور رزم سے ناواقف ہے، یہ پنشن خور ہے اور رقص و سرور میں غرق ہے۔ کردار نگاری کے حوالے سے ایک بلیغ نفسیاتی و تنقیدی تجزیہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کا ہے وہ نجم النساء کے کردار میں بیک وقت عورت و مرد کی نفسیات کو بیان کرتے ہیں۔ وہ جہاں دیدہ خاتون کی مانند اپنے عاشق کے اندر محبت کی آگ بھڑکانے کے

فن سے بھی واقف ہے، نیز مردوں کی طرح دلیر ہے اور شہزادے کو کنواں سے نکال کر لاتی ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری کو جوگن کا بہروپ دھارنے کی وجہ سے یہ کردار قدرے مصنوعی لگا لیکن اس کے باوجود وہ نجم النساء کو بحران کی عورت (Woman of Crisis) کہتے ہیں جو صحیح معنوں میں: ''داستانی (Legendary) عورت ہے۔ نجم النساء ہمیں بیک وقت پاربتی، شہرزاد اور ہیر کی شکل میں نظر آتی ہے وہ اُردو مثنویوں کا ایک لازوال کردار بن جاتی ہے اور اس کے حوالے سے ہم اساطیری عورت کے حقیقی رنگ روپ سے واقف ہوتے ہیں۔'' ۲۰ وہ بدر منیر کو لکھنو کی علامتی شہزادی کہتے ہیں جو نجم النساء کی ہدایات کے سبب متحرک ہوتی ہے۔ان کے خیال میں میر حسنؔ کے کرداروں پر آصف الدولہ کے زمانے کے جنسی ثقافت کا گہرا اثر موجود ہے، اس لیے وہ جنس کو اخلاقی گناہ تصور نہیں کرتے ہیں۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری بے نظیر کو ناستیلجک (Nostalgic) کردار کہتے ہیں اور پری اس کے ناستیلجیا کا علاج کل کے گھوڑے سے کرتی ہے جو اسے بدر منیر کے باغ میں لے جاتا ہے۔ یہ گھوڑا بیک وقت خیر وشر کی علامت ہے جو نہ صرف انسانی دُنیا سے رابطے کا باعث بنتا ہے بلکہ یہ عشق کی شروعات کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ''سحر البیان'' میں عقلی سطح پر بیان کردہ واقعات کی علامتی واستعاراتی معنویت کو بخوبی سمجھ کر مختلف اور متضاد علامتوں کی شناخت وادراک کر کے اِس منظوم داستان کے نہاں خانوں میں چھپی علامتی دُنیا کے خزینوں کی دریافت کی ہے۔انہوں نے نفسیاتی، علامتی اور تہذیبی وعصری حوالوں کو کردار نگاری کے تناظر میں دیکھا ہے۔

داستان میں کردار نگاری کو تہذیبی وعصری تناظر میں رکھتے ہوئے ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی نے میر حسنؔ کے دور کو اخلاقی وذہنی انحطاط کا دور کہا، جہاں اخلاقی اقدار زوال پذیر ہو چکی تھیں اور معاشرتی نظام اندر سے کھوکھلا ہو چکا تھا۔اُنہیں ہیرو کا کردار بھی مجہولیت اور انفعالیت کا پتلا لگا۔اسی طرح انہیں بدر منیر اپنے مشاغل ومعمولات سے شہزادی کم اور طوائف زیادہ لگتی ہے۔ان شاہی کرداروں کے برعکس ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی کو ماہ رخ پری اور فیروز شاہ کے مافوق الفطرت کردار اور وزیر زادی نجم النساء کا کردار فعال لگا۔کردار نگاری کے حوالے سے اپنی تنقیدی بحث کو سمیٹتے ہوئے وہ یہ تاثر دیتے ہیں:

> ''قوت عمل اور قوت تدبیر کی سب سے اہم علامت وزیر زادی نجم النساء کا کردار ہے۔۔۔ شاہی کرداروں کے مقابلے میں غیر شاہی کرداروں کا فعال اور متحرک ہونا گویا اس بات کا ثبوت ہے کہ زوال وانحطاط کا زہر اس تہذیب کو ابھی پوری طرح اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکا تھا۔ کہیں کہیں زندہ اور توانا عناصر موجود تھے۔'' ۲۱

فضل الحق نے بھی ''سحر البیان'' کے مردانہ مرکزی کردار محمد شاہ رنگیلا، آصف الدولہ اور واجد علی شاہ کے عہد میں موجود پاتے ہوئے بے نظیر کو اسی سلسلے کی ایک کڑی کہا اور بدر منیر کو انحطاط پذیر معاشرے کا صحیح آئینہ قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق یہ تمام کردار ''شاہی خاندانوں کے جلال و جمال، علم و یقین، جانبازی و جاں نثاری اور رفتار و گفتار کے تضاد اور یکسانیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔'' ۲۲ فنی و ادبی حوالوں سے اگر دیکھا جائے تو میر حسنؔ کے زمانے میں قصّے کو کردار نگاری پر فوقیت حاصل تھی مگر اس کے باوجود میر حسنؔ کی کردار نگاری کمزوریوں اور خامیوں سے تقریباً عاری ہے۔ کردار نگاری کے حوالے سے محمد احسان الحق کی تنقید ''میر حسن۔ عہد اور فن'' برصغیر کی چار سو سالہ تاریخ کے تناظر میں ہے۔ وہ بے نظیر اور بدر منیر کے کردار کو اٹھارویں صدی عیسوی کے شہزادوں اور شہزادیوں کی مانند بے عملی کا شکار دیکھتے ہیں، شہنشاہ گیتی پناہ کا کردار واضح طور پر انہیں آصف الدولہ لگا جس کے ہاتھوں سے سلطنت اودھ کا کافی حصہ انگریز چھین چکے تھے۔ ۲۳ کردار نگاری پر کی گئی تنقید کا تجزیہ کرنے کے بعد ایک بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ میر حسنؔ نے شاہی کرداروں کو اپنے وقت اور عہد کے تناظر میں رکھ کر بخوبی پیش کیا ہے۔ تمام ناقدین نے نجم النساء کے کردار کو سراہا ہے اور اسے اُردو ادب کے زندہ و جاوید اور لازوال و شاہکار کرداروں میں شامل کیا ہے۔ اس کردار کو بنانے میں میر حسنؔ نے حقیقی و غیر فطری تمام عناصر کو برتا ہے اور بلاشبہ یہ کردار اپنے خالق کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ''سحر البیان'' میں نجم النساء کے متحرک اور جاندار کردار کے سامنے ہیرو اور ہیروئن بھی نہ ابھر سکے۔

میر حسنؔ کا قصّہ تہذیبی مطالعے کے لیے بھی بہت کارآمد ہے، اس قصّے میں تاریخی، سماجی، سیاسی، معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی حوالے بھی موجود ہیں۔ گوپی چند نارنگ کے خیال میں میر حسنؔ کی زبان پر لکھنو اور دلی دونوں دبستانوں کی شیریں بیانی اور سادگی چھائی ہوئی ہے۔ قصّہ بھی ہیئت و ترتیب کے لحاظ سے فارسی مثنویوں کی پیروی میں حمد، نعت اور مناجات سے شروع ہوتا ہے، فارسی داستانوں کے مختلف واقعات کی چاشنی بھی موجود ہے۔ تمام کردار ہندوستانی رہن سہن کی جھلک پیش کرتے ہیں جبکہ ان کا لباس ایرانی و مغلیہ تہذیب کا عکاس ہے۔ افرادِ قصّہ کے نام ایرانی ہیں جبکہ ان کا طرز معاشرت مقامی ماحول پیش کرتا ہے۔ ایسے ہی منظر نگاری کرتے ہوئے مثنوی نگار باغ میں ایرانی اور ہندی پھول ایک ساتھ دکھاتا ہے۔ جوگن کا بھیس اختیار کرنا، رسوم و رواج اور ارباب نشاط کے ذکر میں ہندوستانی تخیل کارفرما ہے۔ گوپی چند نارنگ اس خیال کے داعی ہیں کہ میر حسنؔ کا قصّہ تو ایرانی طرز کا ہے لیکن:

> ''لوح سے تحت تک اس میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں اجنبیت کا احساس پیدا ہو۔ بے نظیر اور بدر منیر متاخرین مغلوں کی تہذیبی شائستگی اور معاشرتی لطافت و نفاست کی کامیاب ترجمانی کرتے ہیں۔ شہر مینو سواد سے

پرستان اور پرستان سے سراندیب تک ہر جگہ ہندوستانی زندگی کا سونا پگھلا
ہوا۔"۲۴

انہی تنقیدی خیالات کو تقویت دیتے ہوئے قمر الہدیٰ فریدی آغاز تا انجام داستان کو ہندوستانی معاشرت و تمدن کا مرقع کہتے ہیں۔۲۵ اویس احمد ادیب کو میر حسن کے اس منظوم قصّے میں واقعہ نگاری اور منظر نگاری کے پہلو جاذب نظر لگے، ان کا خیال ہے کہ میر حسن سے قبل مُلّا وجہی کو منظر نگاری پر قدرت حاصل تھی۔ میر حسن اوقات، مقامات، حسن اور عمرانیات (رسم و رواج اور رزم و بزم وغیرہ) کی منظر کشی پر بیک وقت ملکہ رکھتے تھے۔ اویس احمد ادیب، میر حسن کی واقعہ نگاری، منظر کشی اور محاکات نگاری کو اُردو شاعری کے تناظر میں رکھ کر یہ تنقیدی موقف اختیار کرتے ہیں: "میر حسن کے بعد یہ رنگ منظر نگاری بہت مقبول ہوا، در حقیقت میر حسن کی منظر نگاری آئندہ کی ایک زبردست تحریک کا پیش خیمہ تھی جس پر انشاء، انیس اور مونس چلے اور حالی، آزاد اور اسمعیل اس کو نیچرل شاعری کہنے لگے۔"۲۶

"سحر البیان" میں تہذیبی و سماجی حوالوں سے اعلیٰ پائے کی تنقید ڈاکٹر تبسم کاشمیری اور ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی نے کی ہے۔ اس بات میں ہرگز دورائے نہیں کہ فکشن سماج کا بیانیہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے "سحر البیان" کو تمثالوں کا ایک کھیل کہا ہے جہاں مثنوی کے قصّے، پلاٹ، کہانی اور کردار نگاری پر تہذیبی تمثال گری چھائی ہوئی ہے۔ ان کے نزدیک میر حسن نے تہذیب و تمدن کے ساتھ اپنا رشتہ تخلیقی تمثالوں سے مضبوط کیا ہے اور تجربات میں حسی کیفیات، مہیجات، جذبات اور نشاط و انبساط کے حوالے سے لکھنو کی تصویر کشی کر کے "سحر البیان" کی شکل میں نظم کر دی ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری میر حسن کو عہد ساز اور انتہائی تیز بصیرت کا شاعر کہتے ہیں جو اپنے عہد کی معنویت کا تخلیقی سطح پر انکشاف کر سکا۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری میر حسن کی جمالیاتی حس کو بھی سراہتے ہیں "جس میں ایک طرف ہندوستان کی مغلیہ تہذیب و تمدن ہے تو دوسری طرف عجمی جمالیات کا عکس ہے اور تیسری طرف مقامی ہندی روایت ہے۔"۲۷ ڈاکٹر جمیل جالبی کو "سحر البیان" جدید زمانے کے ادبی رجحانات کے عین مطابق لگی۔ وہ جہاں اس مثنوی کی ادبی و فنی اہمیت و افادیت کے معترف ہیں وہیں اس مثنوی کی عظمت کا راز اس کی تہذیبی مرقع کشی میں مضمر قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا اس حوالے سے لکھنا ہے کہ "سحر البیان ایک مثنوی نہیں بلکہ اس تہذیب کی منہ بولتی تصویر ہے جس نے مقامیت کی حدود سے بلند ہو کر آفاقیت کو چھو لیا ہے۔"۲۸ رضیہ سلطانہ نے بھی اس منظوم داستان کو برصغیر کے تہذیبی و تمدنی قلب میں ڈھلے ہوئے دیکھا ہے۔ انہوں نے اس داستان کو لکھنو کے زمینی و زمانی

ماحول سے وابستہ کر کے تنقیدی حوالوں سے تاریخی اور تہذیبی ارتقا پر بھی روشنی ڈالی ہے۔اس منظوم داستان کو طبقہ اشرافیہ کی داخلی و خارجی اور جنسی و عشقیہ ماحول سے ہم آہنگ تصور کرتے ہوئے رضیہ سلطانہ ارشاد کرتی ہیں:

''یہ سرتا پا بزمیہ ہے اور اس کا انداز نشاطیہ۔اس میں کہیں کہیں غم ناک مرقع بھی دخل ہیں مگر میر حسنؔ نے فریاد کی لے کو زیادہ ابھرنے نہیں دیا تاکہ مثنوی کے مجموعی تاثر اور اس کے نشاطیہ آہنگ میں فرق نہ پڑے۔۔۔ اس کا صحیح دائرہ عمل درباری زندگی اور طبقہ امرا کا عیش پسندانہ ماحول ہے جس کا مرقع میر حسنؔ نے فنکارانہ چابکدستیوں اور شاعرانہ رنگ آمیزیوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔''۲۹؎

''سحر البیان''کو ایسے بھی ناقدین نصیب ہوئے ہیں جو میر حسنؔ کو فنی و ادبی حوالے سے انگریزی کے مایہ ناز شاعر شیکسپیئر کے برابر اور ہم سر تصور کرتے ہیں، مثلاً اس ضمن میں ''کاشف الحقائق'' میں امداد امام اثرؔ مختلف مقامات پر میر حسنؔ کو شیکسپیئر کا ہم پلہ تصور کرتے ہیں۔انہوں نے قصّے کے داخلی و خارجی ہر پہلو پر نگاہ ڈال کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بلاشبہ میر حسنؔ کے:

''معاملات خارجیہ کے بیانات تک شیکسپیئر نہیں پہنچتے ہیں مگر آپ کے امور ذہنیہ کے بیانات بھی ایسے ہیں کہ قریب قریب شیکسپیئر کا مزا دے جاتے ہیں اور تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ آپ شیکسپیئر کی شاعری پابندی قوافی و ردیف کے ساتھ برتتے ہیں اور یہ سخت پابندی ہے جس سے شیکسپیئر کو تمامتر آزادی نصیب تھی۔''۳۰؎

مزید برآں امداد امام اثرؔ نے میر حسنؔ کو حیرت انگیز شاعر کہا جو بیک وقت داخلی و خارجی کیفیات کو بیان کرنے پر قادر ہے۔ وہ میر حسنؔ کو داخلی شاعری کے حوالے سے شیکسپیئر اور خارجی شاعری کے حوالے سے والٹر اسکاٹ کا امتزاج تصور کرتے ہیں۔ جبکہ سید محی الدین قادری زورؔ مثنوی میں روز مرہ کی گفتگو میں ایسے جملوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو کرداروں کے منہ سے نادانستہ نکلتے ہیں اور یہ جملے مستقبل کی پیش گوئی کا کام دیتے ہیں، ان کا ماننا ہے کہ ایسے ہی ''یورپ کے ڈرامہ نگار بالخصوص شیکسپیئر اس فطری معمہ سے بے حد فائدہ اُٹھاتے نظر آتے ہیں۔''۳۱؎ علاوہ ازیں یہ ڈرامائی انداز تکلم اُردو ادب میں ڈرامائی عناصر کی کمی کی تلافی کرتا ہے۔اسی طرح اویس احمد ادیبؔ مافوق العادت عناصر میں بالخصوص ماہ رخ پری اور بالعموم فیروز شاہ کے کرداروں کا شیکسپیئر کے مافوق الفطری کرداروں سے

تقابل کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں میر حسنؔ کے مافوق الفطرت کرداروں میں تیز قوت پرواز ہے جن کی پرواز کے آگے پرستان اور ارض و فلک کے فاصلے سمٹ گئے ہیں، یہ مافوق الفطرت کردار عشق کے حوالے سے جذباتی طور پر ہیجانی کیفیت (ماہ رخ کا انتقام لینا) اور معتدل رویے (فیروز شاہ بڑے حوصلہ نے نجم النساء سے محبت کرتا ہے) کے بہترین عکاس ہیں لہٰذا یہ دو کردار دو مختلف عشقیہ رویوں کو پیش کرتے ہیں مگر شیکسپیئر کی پریاں جو ساری رات جنگل میں پھرتی ہیں ان میں ایسی قوت رفتار و پرواز اور طاقت نہیں ہے۔ اویس احمد ادیبؔ اس فرضی قصّے میں ان مافوق الفطرت عناصر کی ان خصوصیات کو جانچنے کے بعد یہ لکھتے ہیں کہ "میر حسنؔ کے سامنے شیکسپیئر بھی پانی بھرتا ہے۔ اس قدر بلند پروازی اور نازک خیالی ان کے یہاں کہاں۔" ۳۲ اویس احمد ادیبؔ اگر میر حسنؔ کے مافوق العادت کرداروں کو شیکسپیئر سے بہتر جانتے ہیں تو شاغل ادیب نجم النساء کے کردار کا شیکسپیئر کے کرداروں سے موازنہ کرکے یہ تاثر رقم کرتے ہیں کہ بھیس بدلنے والے کردار شیکسپیئر نے بھی تخلیق کیے ہیں مگر "وہ نہایت ہی خود غرض و مفاد پرست ہیں اس لحاظ سے نجم النساء کا کردار میر حسنؔ کی لافانی تخلیق ہے اس سے بہتر کردار اُردو کی کسی مثنوی میں نہیں ملتا۔" ۳۳

قصّے کے حوالے سے شہناز سلطانہ کا خیال ہے کہ شیکسپیئر نے جس طرح پرانے قصّے اتھیلو (Othello) کا خاکہ دیکھ کر اس سے زیادہ پراثر اور زبردست ڈرامہ تصنیف کیا اسی طرح "میر حسن نے بھی پرانے فارسی کے ڈھانچوں پر "سحر البیان" کی بنیاد رکھ کر ایک عظیم مثنوی تیار کی۔" ۳۴ جبکہ مہدی نظمی کا خیال ہے کہ شیکسپیئر کی مانند میر حسنؔ کا عشق منزل بہ منزل بڑھنے کے بجائے اچانک ہوتا ہے، ان کے عشق کو فرائڈ (Freud) کے نفسیاتی و جنسیاتی پیمانے پر نہیں ناپا جاسکتا ہے۔ ماہ رخ کو پہلی نظر میں بے نظیر سے، بے نظیر کو اور بدر منیر کو پہلی ہی ملاقات میں اور فیروز شاہ کو نجم النساء سے پہلی ہی نظر میں عشق ہوتا ہے لہٰذا "شیکسپیئر کے عشقیہ ڈراموں کی طرح مثنوی سحر البیان میں بھی عشق کا جذبہ پہلی ہی نظر میں جاگتا ہے اور آتش محبت بھڑک اُٹھنے میں ذرا سی دیر بھی نہیں کرتی۔" ۳۵ اس تحسینی تنقید کے علاوہ "سحر البیان" پر تنقیصی تنقید بھی کی گئی ہے۔ اس حوالے سے کلیم الدین احمد اور ڈاکٹر گیان چند جین کے نام سر فہرست ہیں۔ کلیم الدین احمد کو "سحر البیان" میں تکرار لفظی گراں گزرتی ہے۔ جس کے باعث طوالت قصّے میں در آتی ہے، نفس داستان میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے، تصورات میں ہنگامہ آرائی کا بھی فقدان ہے، افراد و واقعات میں زیادتی ہے اور تخیل کی بو قلمونی نہیں ہے مزید برآں "داستان بہت پتلی ہے۔ قوت ایجاد سے واسطہ نہیں۔ یہ سکت نہیں کہ نئے نئے تصورات کے نقشے بنائے جائیں اس سے بس یہی مصرف لیا جاتا ہے کہ معمولی سی باتوں کو ایک مختصر لندھور ابن سعدان کی داستان بنا دی جائے۔" ۳۶ ان کے مطابق میر حسنؔ کردار کے باطن میں خود نہیں اترتے اسی لیے ان کے قصّے میں اثر خیزی کی کمی ہے، لیکن اس کے باوجود کلیم الدین احمد، میر حسنؔ کے قلم کی صفائی، صاف

عبارت، فصیح روزمرہ، نفیس مکالمہ نگاری، تصنع کی کمی، دلکش روانی، عمدہ اظہار خیالات اور طرز ادا میں تنوع کو بے حد سراہتے ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند جین کا شمار ان ناقدین میں ہوتا ہے جن کا مطالعہ قدیم داستانی ادب پر وسعتوں اور علمیت سے بھرپور ہے۔ان کا خیال ہے کہ تنقید تبھی زیادہ کارآمد ہو سکتی ہے جب تصویر کے دونوں پہلوؤں کو خاطر میں لایا جائے لہٰذا اسی خیال کے پیش نظر وہ ''سحر البیان'' میں چند کوتاہیوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ان کے مطابق کردار نگاری کے حوالے سے ہیرو اور ہیروئن کے کردار میں شاعر نے نکتہ رسی کا ثبوت نہیں دیا، نیز بعض مقامات پر بیانات اقتضائے حال کے موافق نہیں ہیں، مثلاً بدر منیر اور بے نظیر پہلی ہی ملاقات میں شاہی رکھ رکھاؤ اور تمکنت کو خیر باد کر کے بے محابا شراب پیتے ہیں اور دوسری ملاقات میں وصل کے مزے لیتے ہیں، اس طرح کے بیانات اور واقعات قدرے غیر حقیقی لگتے ہیں۔ شہزادہ اپنے ہونے والے سسر کو شادی کے لیے خط لکھتا ہے اور حملہ کرنے کی دھمکی لگاتا ہے، یہ عمل بھی خاصا غیر فطری و غیر منطقی لگتا ہے۔ عمل سے عاری شہزادے کے کردار کو شادی کے لیے التجا کرتے اگر شاعر دکھاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ علاوہ ازیں پردیس میں شہزادہ شادی رچا رہا ہے مگر اس میں سمدھنوں کی شرکت کا ذکر کیا گیا ہے۔ڈاکٹر گیان چند جین کی تنقید متوازن طرز کا اعلیٰ نمونہ ہے، وہ ''سحر البیان'' کے معائب و محاسن پر منصفانہ اور غیر جانبدارانہ تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں ''اس مثنوی میں معائب ہیں لیکن کثرت محاسن کی چکا چوند میں نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ مثنوی سحر البیان کے خالص شاعرانہ حسن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔''۳۷ بلاشبہ مثنوی ''سحر البیان'' میں عیوب قلیل ہیں اور محاسن کثیر ہیں اسی لیے آج دو سو سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود قارئین اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

''سحر البیان'' پر کی گئی تنقید کا اگر مجموعی طور پر جائزہ لیں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس منظوم داستان پر تنقید کا وقیع سرمایہ موجود ہے۔ سید اشرف حسین دہلوی، عبد الباری آسیؔ، ڈاکٹر وحید قریشی، حامد اللہ افسر، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، وہاب اشرفی اور حکم چند نیر وغیرہ نے ''سحر البیان'' مرتب کرتے ہوئے اپنے مقدمات میں اس مثنوی پر خاطر خواہ تنقیدی آرا لکھی، جبکہ میر حسنؔ کی ذات و فن اور عہد کو لے کر محمود فاروقی (میر حسن اور خاندان کے دوسرے شعرا)، ڈاکٹر وحید قریشی (میر حسن اور ان کا زمانہ)، فضل الحق (میر حسن، حیات اور ادبی خدمات) اور محمد احسان الحق (میر حسن، عہد اور فن) نے ''سحر البیان'' کو اپنی تنقید کا موضوع بنایا۔ جبکہ ڈاکٹر عبادت بریلوی (سحر البیان۔ ایک تنقیدی مطالعہ)، شمس الحسن شمسؔ (سحر البیان پر تنقیدی نظر)، رضیہ سلطانہ (مثنوی سحر البیان ایک تہذیبی مطالعہ) اور مہدی نظمیؔ (مثنوی سحر البیان نیا عکس نیا آئینہ) نے اپنی پوری تصانیف کو ''سحر البیان'' کے

تنقیدی حوالوں سے سجایا ہے۔ اُردو ادب کی تاریخ اِس منظوم داستان کے تذکرے کے بغیر ادھوری ہے چنانچہ ڈاکٹر جمیل جالبی اور ڈاکٹر تبسم کاشمیری جیسے ادبی محققین و مورخین نے ''سحر البیان'' کی اہمیت کے پیش نظر اس کو شامل بحث کیا ہے۔ علاوہ ازیں منظوم داستانوں پر تنقید کرتے ہوئے ڈاکٹر گیان چند جین، خان رشید، سید محی الدین قادری زورؔ، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، سید احتشام حسین، سید جلال الدین احمد، سید محمد عقیل رضوی، اویس احمد ادیبؔ، قمر الہدیٰ فریدی اور شہناز سلطانہ نے ''سحر البیان'' پر تنقید کی۔

''سحر البیان'' پر کی گئی تنقید کا تجزیہ کریں تو سب سے مثبت تنقید ڈاکٹر عبادت بریلوی کی ہے وہ اس قصّے اور اس کے مختلف واقعات کو انسانی زندگی و اقدار سے ہم آہنگ تصور کرتے ہیں، اُردو کے منظوم داستانی ادب میں یہ تنقید اپنی مثال آپ ہے۔ آپ مثنوی کو ہر حوالے سے اُردو شاعری کے معیار پر پورا اُترتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ قصّے کے حوالے سے ایک اور دلچسپ تنقید ڈاکٹر وحید قریشی کی ہے۔ وہ قصّے کے مآخذ و مماثلات کے علاوہ میر حسنؔ کے معاصرین، متاخرین اور مقلدین کی بھی فہرست بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی مانند ڈاکٹر جمیل جالبی ''تاریخ ادب اُردو'' میں ''سحر البیان'' کے مآخذ اور اس سے تقلید اور اخذ شدہ منظوم اور منثور داستانوں کی ایک طویل فہرست دیتے ہیں۔ یہ امر اس بات کا غماز ہے کہ دونوں ناقدین کا مطالعہ عالمی و اُردو داستانی ادب کے حوالے سے بہت وسیع ہے۔ ''سحر البیان'' نے اُردو ادب کی روایت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ قصّے کے علاوہ پلاٹ اور کردار نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر وحید قریشی کی تنقید حقیقت پر مبنی ہے، انہیں کردار نگاری میں جو عیوب لگے انہوں نے ان کا برملا اظہار کیا۔ خان رشید نے بھی قصّے پر تنقید کی مگر زبان و بیان پر ان کی تنقید قدرے تفصیل سے ہے علاوہ ازیں وہ اپنی تنقید میں سماجی و اخلاقی اقدار، عصری اور تہذیبی حوالوں کا ذکر کرتے ہیں۔

سید احتشام حسین کا نقطہ نظر منفرد اور وجدانی تجربے پر محیط ہے۔ ان کی ''سحر البیان'' پر کی گئی تنقید اپنے اندر ماضی کے ادب کا مطالعہ اور اعلیٰ انسانی اقدار کی معنویت کو بھرپور انداز سے پیش کرتی ہے۔ سید احتشام حسین کا شمار اُردو ادب کے ان ناقدین میں ہوتا ہے جو ادب کو معاشرتی نظام، تہذیبی اقدار اور سماج کے ارتقا کو سمجھنے میں معاون خیال کرتے ہیں۔ ان کی تنقید سماجی بصیرت اور ادبی سلیقے کا بہترین سنگم ہے، انہوں نے اُردو ادب میں سب سے پہلے عصری میلانات کی اہمیت اور ادب اور زندگی کے باہمی رشتے کو قبول کیا اور اسی انفرادیت کی بنا پر اُردو تنقید میں ان کی آواز جداگانہ حیثیت کی حامل ہے۔ ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی کی تنقید اس بات کی علامت ہے کہ انہیں اُردو ادب کی تاریخ سے خاصی آگہی ہے جس کی بدولت وہ ایک اعلیٰ سماجی و تہذیبی شعور رکھتے ہیں۔ ''سحر البیان'' پر ان کی تنقید اسی

بالیدہ شعور کی عکاس ہے جس میں وہ کرداروں اور واقعات کو سماجی احوال و کوائف کے دائرے میں رکھ کر ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ''سحر البیان'' کے قصّے میں رمزیت اور علامتوں کے چھپے رازوں کو عیاں کیا نیز کرداروں میں نفسیاتی، علامتی اور اساطیری حوالے بھی ڈھونڈے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی تنقید میں بھی تاریخی، لسانی، سماجی، تہذیبی، صوفیانہ اور علامتی جہات شامل ہیں، انہوں نے تمثالوں کی مدد سے کرداروں اور قصّے کا ادراک کرتے ہوئے رمزی، علامتی، استعاراتی اور فکری تنقید میں فلسفیانہ عناصر کی آمیزش سے تنقید کو وسیع معنوں سے روشناس کروایا ہے اور تنقید کو ابہام کا شکار نہیں ہونے دیا۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ''سحر البیان'' کی تنقید میں استعاراتی نظام کا خاص خیال رکھا ہے، ان کے نزدیک استعارے اور تلازمے باطنی دُنیا کے سرچشموں کا انکشاف کرتے ہیں اور شعری ادارک کی تشکیل کرتے ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا شمار اُردو منظوم داستانی ادب کے ان ناقدین میں ہوتا ہے جو تنقید میں تخلیق کار اور اس کے عہد کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ وہ اس عقلیت پرست دور میں ان قدیم قصوں میں معاشرتی و سماجی اثرات کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ ''سحر البیان'' کے قصّے کے مآخذ کی تلاش کر کے اپنی تحقیق میں حقیقی رنگ بھی شامل کرتے ہیں اور تنقید کرتے ہوئے وہ اعتدال و توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری بحیثیت ایک داستان شناس اور داستانی نقاد کے اُردو میں بلند مرتبے کے حامل ہیں۔ ان کی تحقیق، ژرف نگاہی، تنقیدی بصیرت، تجزیاتی فکر اور تخلیقی حسن کے پیشِ نظر ان کو اُردو منظوم داستانی ادب کے جید ناقدین اور داستان شناسوں میں شامل کیا جاتا ہے۔

تہذیبی حوالوں سے خان رشید، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر تبسم کاشمیری، گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ابن کنول، رضیہ سلطانہ اور شمس الدین شمسؔ بریلوی نے تفصیلاً تنقیدی خیالات کا اظہار کیا اور مثنوی کے پیشِ نظر برصغیر پاک و ہند کے ماضی کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اس عہد کے انتشار کو سماجی رویوں میں دیکھا اور داخلی سطح پر مٹتی ہوئی اقدار کو آخری سانسوں پر نہ صرف انفرادی و اجتماعی سطح پر دیکھا بلکہ سماجی اقتداری قوتوں اور طبقہ اشرافیہ میں اس کے بحران کا نوحہ بھی کہا اور اس مثنوی کو ''تاریخی دستاویز'' کا رتبہ دیا۔ ناقدین نے میر حسنؔ کے اسلوب کو سادہ، آساں فہم اور رواں کہا اور میر حسنؔ کے تخیل کو داد دی جو منظر کشی کے حوالے سے نادر تشبیہات و استعارات سے نئی نئی ہیئتیں تراشتا ہے۔ داستان کا ماحول مبالغہ آرائی سے خالی نہیں ہوتا ہے، اس لیے مبالغہ آرائی اور مافوق الفطری عناصر کو شامل بحث کیا گیا۔ خان رشید، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر تبسم کاشمیری، خلیل

الرحمٰن اعظمی اور سید احتشام حسین اس منظوم داستان میں جنس اور عریانی کو لکھنوی معاشرے کے حوالے سے دیکھ کر جنسی پہلو سے قطع نظر کرتے ہیں۔

اس مثنوی کے تمام ادبی و فنی حوالوں کو تنقیدی مباحث کا حصّہ بنایا گیا ہے اور کسی بھی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا گیا ہے۔ قدیم اور جدید تمام تنقیدی اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر اس مثنوی کو اُردو ادب کا شاہکار کہا گیا۔ الغرض ''سحر البیان'' بہت ساری خصوصیات کے توازن کا حسین مجموعہ ہے جس میں میر حسنؔ کا قلم فن کی بلندیوں کو چھوتا ہے۔ بلاشبہ میر حسنؔ نے ''سحر البیان'' میں اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات میں تاریخی و سماجی پس منظر کو شامل کرتے ہوئے اسے ایک تخلیقی شاہکار بنایا ہے اور اسی بنا پر منظوم داستانی ادب کی تنقید میں اسے بہترین اور اعلیٰ درجے کی تخلیق تصور کیا گیا ہے۔ امداد امام اثرؔ، اویس احمد ادیب، شہناز سلطانہ، شاغل ادیب اور مہدی نظمیؔ نے میر حسنؔ اور شیکسپیئر کے متخیلہ اور تخلیقی عمل کے ہشت پہلوؤں کو یکساں بصیرت کا حامل قرار دیا۔ ''سحر البیان'' کے یہ تقابلی مطالعات اُردو داستانی ادب کو اعتماد اور خود اعتمادی بخشتے ہیں۔ یہ کہنا بجا ہے کہ جس پائے کی مثنوی میر حسنؔ نے لکھی ہے اسی معیار کی شاندار تنقید اس پر خان رشید، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر وحید قریشی، سید احتشام حسین، امداد امام اثرؔ، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر جمیل جالبی، اویس احمد ادیب، مہدی نظمیؔ اور ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے کی ہے۔ بلاشبہ ''سحر البیان'' کی یہ تنقید بھی سحر زدہ ہے جس کا سحر منظوم داستانی ادب کے تنقیدی افق پر چھایا ہوا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ افسوسؔ، میر شیر علی، دیباچہ مثنوی سحرُ البیان۔ میر غلام حسن، حسنؔ دہلوی، مرتب: رشید حسن خاں، (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۷ء)، ص: ۸۔

۲۔ سروری، عبدالقادر، دُنیائے افسانہ، (حیدرآباد دکن: انجمن مکتبہ ابراہیمیہ، بار دوم، ۱۹۳۵ء)، ص: ۱۴۲۔

۳۔ میر حسن، مثنوی سحر البیان، مرتب: وہاب اشرفی، (لاہور: سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص: ۳۳۔

۴۔ عبدالسلام ندوی، شعر الہند (حصہ دوم)، (اعظم گڑھ: مطبع معارف، طبع چہارم، ۱۹۵۴ء)، ص: ۱۸۸۔

۵۔ وحید قریشی، میر حسن اور اُن کا زمانہ، (لاہور: استقلال پریس، ۱۹۵۹ء)، ص: ۴۹۱۔۴۹۲۔

۶۔ خان رشید، اُردو کی تین مثنویاں، (کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، بار دوم، ۱۹۷۰ء)، ص: ۶۷۔

۷۔ فرمان فتح پوری، اُردو غزل نعت اور مثنوی، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ص: ۴۷۹۔

۸۔ عبادت بریلوی، سحر البیان۔ایک تنقیدی مطالعہ، (لاہور: اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، س ن)، ص: ۶۶۔

۹۔ میر حسن دہلوی، مثنوی سحر البیان، مرتب: رفیق حسین، (الہ آباد: رام نرائن لال بینی مادھو، ۱۹۷۸ء)، ص: ۳۴۔

۱۰۔ رضوی، سید محمد عقیل، اُردو مثنوی کا ارتقا۔ شمالی ہند میں، (لکھنو: اترپردیش اُردو اکادمی، ۲۰۰۹ء)، ص: ۱۳۹۔

۱۱۔ میر حسن دہلوی، مثنوی سحر البیان، مرتب: خضر سلطان رانا، (لاہور: پرنٹ یارڈ پرنٹر، ۲۰۱۰ء)، ص: ۶۱۔

۱۲۔ آزاد، مولوی محمد حسین، آبِ حیات، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء)، ص: ۲۱۱۔

۱۳۔ میر حسن، مثنویات میر حسن، مرتب: عبدالباری آسی، (لکھنو: مطبع تیج کمہار، ۱۹۶۶ء)، ص: ۹۔

۱۴۔ میر حسن، مثنوی سحر البیان، مرتب: سید اشرف حسین دہلوی، (لاہور: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، ۱۹۸۴ء)، ص: ۲۶۔

۱۵۔ خان رشید، اُردو کی تین مثنویاں، ص: ۴۸۔

۱۶۔ شمس، محمد شمس الحسن، سحر البیان پر تنقیدی نظر، ۱۹۴۷ء، ص: ۱۹۔۲۰۔

۱۷۔ وحید قریشی، میر حسن اور اُن کا زمانہ، ص: ۵۱۶۔

۱۸۔ احتشام حسین، تنقیدی جائزے، (حیدرآباد دکن: ادارہ اشاعت اُردو، ۱۹۴۴ء)، ص: ۲۱۵۔

۱۹۔ فرمان فتح پوری، اُردو کی بہترین مثنویاں، (لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۳ء)، ص: ۴۶۔

۲۰۔ تبسم کاشمیری، اُردو ادب کی تاریخ۔ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص: ۴۱۹۔

۲۱۔ میر حسن دہلوی، مثنوی سحر البیان، مرتب: خلیل الرحمٰن اعظمی، (علی گڑھ: لیتھو کلر پرنٹرس، طبع سوم، ۱۹۹۰ء)، ص: ۳۷۔۳۹۔

۲۲۔ فضل الحق، میر حسن۔ حیات اور ادبی خدمات، (دہلی: جمال پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۳ء)، ص: ۲۶۹۔

۲۳۔ اختر، احسان الحق، میر حسن۔ عہد اور فن، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۹ء)، ص: ۱۲۷۔

۲۴۔ نارنگ، گوپی چند، ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اُردو مثنویاں، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ص: ۳۱۸۔۳۱۹۔

۲۵۔ قمر الہدیٰ فریدی، اُردو داستان، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص: ۱۳۲۔
۲۶۔ ادیبؔ، اویس احمد، تنقیدیں، (الٰہ آباد: اُردو پبلشنگ ہاؤس، باراوّل، ۱۹۴۴ء)، ص: ۱۸۰۔
۲۷۔ تبسم کاشمیری، اُردو ادب کی تاریخ۔ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک، ص: ۴۱۷۔
۲۸۔ جمیل جالبی، تاریخ ادب اُردو ۔ اٹھارویں صدی (جلد دوم)، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۴ء)، ص: ۸۶۴۔
۲۹۔ رضیہ سلطانہ، مثنوی سحر البیان ایک تہذیبی مطالعہ، (دہلی: کوہِ نور پرنٹنگ پریس، طبع اوّل، ۱۹۶۴ء)، ص: ۲۱۵۔۲۱۶۔
۳۰۔ اثرؔ، امداد امام، کاشف الحقائق (جلد دوم)، (لاہور: مکتبہ معین الادب، طبع دوم، ۱۹۵۹ء)، ص: ۳۹۴۔
۳۱۔ زور، محی الدین قادری، روحِ تنقید (حصہ دوم)، (حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ، ۱۹۲۰ء)، ص: ۲۴۲۔
۳۲۔ ادیبؔ، اویس احمد، مضمون مثنوی سحر البیان اور مافوق العادت عناصر، مشمولہ نیرنگ خیال، لاہور، نومبر ۱۹۴۳ء، ص: ۶۵۔
۳۳۔ شاغل ادیب، مضامین ادبی، (حیدر آباد: اعجاز پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۷ء)، ص: ۴۸۔
۳۴۔ شہناز سلطانہ، اُردو کی عشقیہ مثنویاں، (حیدر آباد: اعجاز پرنٹنگ پریس، ۱۹۸۱ء)، ص: ۴۵۔
۳۵۔ مہدی نظمی، مثنوی سحر البیان نیا عکس نیا آئینہ، (دہلی: جواہر آفسیٹ پریس، باراوّل، ۱۹۸۶ء)، ص: ۴۷۔
۳۶۔ کلیم الدین احمد، اُردو زبان اور فن داستان گوئی، (لاہور: عالمین پبلی کیشنز، طبع اوّل، ۱۹۹۰ء)، ص: ۲۳۳۔
۳۷۔ گیان چند، اُردو مثنوی شمالی ہند میں، (نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو (ہند)، ۱۹۶۴ء)، ص: ۳۲۵۔